37

اگر تم قرآن مجید پر ایمان لاؤ اور پھر سچے دل سے اس پر عمل کرنے کی کوشش کرو تو اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں سے بدی کی رغبت مٹا دے گا یا تمہاری کمزوری کی پردہ پوشی فرمائے گا

(فرمودہ 21 ستمبر 1956ء بمقام ایبٹ آباد)

تشہّد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کے بعد حضور نے قرآن کریم کی درج ذیل آیت تلاوت فرمائی: وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ۔ 1

اس کے بعد فرمایا:

''ہر وہ انسان جو ایسے مقام پر کھڑا ہو کہ اُس سے جواب طلبی کا موقع بھی پیش آ جاتا ہو اُس کی دو خواہشیں ہوا کرتی ہیں۔ ایک خواہش تو یہ ہوتی ہے کہ مجھ سے کوئی ایسی غلطی نہ ہو جس کی وجہ سے مجھ سے جواب طلبی کی ضرورت پیش آئے اور دوسری خواہش یہ ہوتی ہے

کہ اگر اتفاقاً مجھ سے کوئی ایسی غلطی ہو جائے تو پھر اُس غلطی پر پردہ پڑ جائے۔ اور یا تو جواب طلبی کرنے والا میرے قصور کو بھول جائے اور یا اُسے معاف کر دے۔ یہ دو ہی ذرائع ہیں جن سے ایک ایسے انسان کو اطمینان حاصل ہوتا ہے جو ایسے مقام پر کھڑا ہو کہ اُس سے جواب طلبی کی جا سکے۔ مثلاً ایک ملازم ہے اُس کو رات دن یہی فکر رہتی ہے کہ میرے کام میں کوئی ایسا نقص نہ ہو جائے کہ جس کی وجہ سے میرے افسروں کو مجھ سے جواب طلبی کرنی پڑے۔ پھر اس کی دوسری خواہش یہ ہوتی ہے کہ اگر مجھ سے کوئی غلطی ہو جائے تو وہ میرے افسر کو نظر نہ آ جائے۔ اور اگر نظر آ جائے تو اُس کے دل میں ایسی محبت پیدا ہو جائے کہ وہ کہے، جانے دو اور اس غلطی کو نظر انداز کر دو۔ اِس نقطہ نگاہ سے اگر دیکھا جائے تو سب سے زیادہ ذمہ داری انسان پر عائد ہوتی ہے نوکر کی ذمہ داری بہت محدود ہوتی ہے اور پھر تھوڑے عرصہ کے لیے ہوتی ہے۔ لیکن انسان کی ذمہ داری ایک لمبی زندگی کے لیے ہوتی ہے اور اتنی امانتیں اُس کے سپرد ہوتی ہیں کہ جن کا کوئی شمار نہیں ہوتا۔ دفتر میں کسی کے پاس امانت کے دس روپے ہوتے ہیں، کسی کے پاس بیس، کسی کے پاس پچاس روپے ہوتے ہیں اور کسی کے پاس سَو اور کسی کے پاس ہزار روپے رکھے ہوئے ہوتے ہیں اور کسی کے پاس دو ہزار۔ پھر کسی کے پاس ایک فائل ہوتا ہے اور کسی کے پاس دو فائل، کسی کے پاس چار مِسلیں ہوتی ہیں اور کسی کے پاس دس۔ مگر انسان کو دیکھو تو کوئی کروڑ پتی ہوتا ہے اور کوئی اَرب پتی۔ مثلاً راک فیلر کو ہی دیکھ لو وہ اَرب پتی ہے اور اُس نے خداتعالیٰ کے حضور اَربوں کا ہی جواب دینا ہے۔ اب ایک اکاؤنٹنٹ جو فوج میں یا کسی فرم میں ملازم ہوتا ہے اور جس نے پانچ سَو یا ہزار کا حساب دینا ہوتا ہے جب اُس کی راتوں کی نیند حرام ہو جاتی ہے تو تم سمجھ سکتے ہو کہ جس نے کروڑوں روپیہ کا حساب دینا ہو گا اُس کا کیا حال ہو گا۔ مثلاً راک فیلر ہی جب اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہو گا تو اس کو اَربوں ڈالر کا حساب دینا پڑے گا۔ اگر اس حساب میں اس کی کوئی کوتاہی ثابت ہوئی تو یہ اُس کے لیے کتنی بڑی مصیبت ہو گی۔

یہی کیفیت ہر انسان کو اگلے جہان میں پیش آنے والی ہے کیونکہ مِسلوں کا طریق عالَمِ روحانی میں بھی موجود ہے۔ چنانچہ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں ہر انسان

جو اعمال بجا لاتا ہے خواہ اچھے ہوں یا بُرے وہ اُس کے ہاتھوں اور پاؤں وغیرہ پر نقش ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ اس کے کان اور اس کی آنکھیں اور اس کی زبان اور اس کا چمڑا گواہی دیں گے کہ وہ دنیا میں کیا کچھ کرتا رہا ہے۔2 گویا وہاں اعمال کا ریکارڈ کاغذوں کی بجائے کانوں اور آنکھوں اور زبانوں پر کیا جاتا ہے اور ہاتھوں اور پاؤں کو گواہ بنایا جاتا ہے اور ان ساری مِسلوں کا اسے جواب دینا پڑے گا۔

پس اس کی حالت عام دنیوی ملازموں سے بہت زیادہ نازک ہے اور اس کو ہمیشہ اس بات کا فکر رہنا چاہیے کہ جب میں اپنے اعمال کا جواب دینے لگوں تو میرا حساب بالکل صاف ہو۔ چونکہ دنیا میں انسان خواہ کتنی بھی کوشش کرے اُس سے کچھ نہ کچھ غلطیاں ضرور ہو جاتی ہیں۔ اس لیے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ہم تمہیں ایک ترکیب بتاتے ہیں جس سے کام لے کر تم اس مشکل سے نجات حاصل کر سکتے ہو۔ اور وہ ترکیب اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں بیان فرمائی ہے جو ابھی میں نے پڑھی ہے کہ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَ اتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ کہ اگر وہ لوگ جن کو کتاب دی گئی ہے ایمان لاتے اور اللہ تعالیٰ کا تقوٰی اختیار کرتے تو ہم اُن کی بُرائیاں اُن سے دور کر دیتے۔ مسلمان عمل سے بچنے کے لیے بڑی بے تکلفی سے کہہ دیتے ہیں کہ یہاں اہلِ کتاب سے یہودی اور عیسائی مراد ہیں حالانکہ سوال یہ ہے کہ کیا مسلمانوں کو قرآن نہیں ملا؟ اگر مسلمانوں کو بھی ایک کتاب ملی ہے تو وہ بھی اہلِ کتاب ہیں۔ مگر مسلمانوں کی عادت ہے کہ جہاں بھی اہلِ کتاب کا ذکر آ جائے وہ سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ اِس سے مراد ہم نہیں بلکہ یہودی اور عیسائی مراد ہیں۔ اسی ذہنیت سے تنگ آ کر مولانا روم نے یہ کہہ دیا تھا کہ

گفتہ آید در حدیث دیگراں

یعنی بات کا اثر کسی پر تب ہوتا ہے جب دوسرے کا نام لے کر کہی جائے۔ چنانچہ انہوں نے اِسی حکمت کے ماتحت جانوروں کی طرف منسوب کر کے مثنوی میں کئی قسم کی حکایات لکھی ہیں۔ کہیں لکھتے ہیں ریچھ نے یہ کہا، کہیں لکھتے ہیں بھیڑیے نے یہ کہا، کہیں لکھتے ہیں گیدڑ نے یہ کہا، کہیں لکھتے ہیں سانپ نے یہ کہا، کہیں لکھتے ہیں بچھو نے یہ کہا حالانکہ درحقیقت

ان کی مراد وہ انسان ہوتے ہیں جو بچھو خصلت ہوتے ہیں یا وہ انسان ہوتے ہیں جو سانپ خصلت ہوتے ہیں یا وہ انسان ہوتے ہیں جو گیدڑ خصلت یا ریچھ خصلت یا بھیڑیا خصلت ہوتے ہیں۔ یہ طریق انہیں اس لیے اختیار کرنا پڑا کہ انہوں نے لوگوں کے حالات کو دیکھ کر سمجھ لیا کہ

گفتہ آید در حدیثِ دیگراں

ان پر بات کا تب اثر ہوتا ہے جب دوسرے کا نام لے کر کہی جائے۔ اگر خود انہیں مخاطب کیا جائے تو وہ اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرتے ہیں۔

مجھے یاد ہے حضرت خلیفہ اول اپنی وفات کے قریب جب بہت زیادہ کمزور ہو گئے تو ایسی حالت میں جب لوگ آپ کے پاس آتے اور آپ اُن کے دیر تک بیٹھے رہنے کی وجہ سے تنگ آ جاتے تو آپ فرمایا کرتے تھے اب میں تھک گیا ہوں دوست مہربانی کر کے چلے جائیں۔ جب آپ یہ فرماتے تو اکثر لوگ یہ خیال کر لیتے کہ اس سے مراد دوسرے لوگ ہیں ہم اس کے مخاطب نہیں۔ چنانچہ اگر پچاس دوست اُس وقت بیٹھے ہوئے ہوتے تو اُن میں سے پانچ دس چلے جاتے اور چالیس پینتالیس پھر بھی بیٹھے رہتے۔ آپ دس پندرہ منٹ اَور انتظار کرتے اور جب دیکھتے کہ لوگ ابھی تک نہیں اُٹھے تو آپ فرماتے اب باقی دوست بھی چلے جائیں۔ اِس پر بہت سے لوگ اُٹھ کر چلے جاتے۔ مگر کچھ ایسے بھی ہوتے تھے جو پھر بھی بیٹھے رہتے تھے اور سمجھتے تھے کہ اس حکم کے ہم مخاطب نہیں بلکہ دوسرے لوگ مخاطب ہیں۔ آخر تھوڑی دیر اَور انتظار کرنے کے بعد جب آپ کے لیے تکلیف بالکل ناقابلِ برداشت ہو جاتی تو آپ فرمایا کرتے اب نمبردار بھی چلے جائیں یا بعض دفعہ نمبردار کی بجائے آپ چودھری کا لفظ استعمال کرتے اور فرماتے کہ اب چودھری بھی چلے جائیں۔ یعنی وہ لوگ جو میرے بار بار کہنے کے باوجود اپنی جگہ سے نہیں ہلتے اور اپنے آپ کو چودھری یا نمبردار سمجھتے ہیں وہ بھی چلے جائیں۔ اِس پر وہ شرمندہ ہو کر اُٹھ کھڑے ہوتے۔ تو جب بھی لوگوں سے یہ کہا جائے کہ فلاں کام کرو تو اکثر لوگ یہ خیال کرنے لگ جاتے ہیں کہ اِس سے مراد ہم نہیں بلکہ اَور لوگ ہیں۔

یہی حال مسلمانوں کا ہے۔ وہ اچھی طرح جانتے ہیں کہ مسلمان اہلِ کتاب ہیں مگر

ہر مسلمان جب بھی اہلِ کتاب کا لفظ قرآن کریم میں پڑھتا ہے کہتا ہے کہ اس سے یہودی اور عیسائی مراد ہیں۔ حالانکہ یہ حکم مسلمانوں کے لیے بھی ویسا ہی ہے جیسا کہ یہود کے لیے۔ اور اس میں ایک اعلیٰ درجہ کا نکتہ بتایا گیا ہے جس سے ہر انسان فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔

اللہ تعالیٰ اِس آیت میں فرماتا ہے کہ دیکھو! تم پر ہماری طرف سے بڑی بھاری ذمہ داری عائد ہے اور تمہیں ہمارے سامنے ان ذمہ داریوں کے متعلق جواب دینا پڑے گا۔ ہم تمہیں اپنی حفاظت کا ایک طریق بتاتے ہیں اور تمہیں نصیحت کرتے ہیں کہ قرآن میں جو کچھ نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان لاؤ اور پھر ایمان لا کر متقی لوگوں کی طرح اس پر عمل کرو بہانہ سازیاں نہ کرو۔ جیسے ہندو سخت سردی کے موسم میں بعض دفعہ غسل سے بچنے کے لیے بہانہ سازی سے کام لینے لگ جاتے ہیں۔

لطیفہ مشہور ہے کہ ایک دن سخت سردی میں صبح سویرے ایک برہمن اشنان کرنے کے لیے دریا کی طرف چل پڑا۔ سردی کی وجہ سے اُس کا جی نہیں چاہتا تھا کہ اشنان کرے۔ مگر ساتھ ہی سمجھتا تھا کہ اگر آج میں نہ نہایا تو سارے گاؤں میں بدنام ہو جاؤں گا اور لوگ کہیں گے کہ اس نے اشنان نہیں کیا۔ اِس خیال میں وہ جا رہا تھا کہ اُسے رستہ میں ایک اَور برہمن ملا جو دریا سے واپس آ رہا تھا۔ وہ اُس سے کہنے لگا کہ پنڈت جی! آج تو بڑی سردی ہے۔ اس نے کہا ہاں! بڑی سردی ہے۔ کہنے لگا پھر آپ نے اشنان کس طرح کیا ہے؟ اُس نے کہا میں دریا پر گیا تو میں نے ایک کنکر اُٹھا کر دریا میں پھینک دیا اور میں نے کہا ''تورا اَشنان سومورا اَشنان''۔ یعنی اے کنکر! جب تُو نے غسل کر لیا تو میرا غسل بھی ہو گیا۔ اور یہ کہہ کر میں واپس آ گیا۔ اِس پر اُس نے وہی زمین پر سے ایک کنکر اُٹھا کر اُس کی طرف پھینکا اور کہنے لگا ''تورا اَشنان سومورا اَشنان'' یعنی تیرا غسل ہو گیا تو پھر تیرے غسل کی وجہ سے میرا غسل بھی ہو گیا۔ اب مجھے دریا پر جانے کی ضرورت نہیں رہی۔ اِسی طرح بعض لوگ بات تو مان لیتے ہیں مگر بہانہ سازی ترک نہیں کرتے اور ہمیشہ کوشش کرتے ہیں کہ جس طرح بھی حکم کو ٹالا جا سکے اُسے ٹال دیا جائے۔

ہماری فقہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ عید کی نماز صرف شہر میں ہوتی ہے شہر سے باہر

نہیں ہوتی۔ اِدھر رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ قربانی ہمیشہ عید کے بعد ہوتی ہے۔3 اب بعض علماء نے یہ سوال اُٹھایا ہے کہ اگر کوئی شخص عید سے پہلے قربانی کا گوشت کھانا چاہے تو وہ کیا کرے؟ گویا انہوں نے سمجھا کہ خدا تعالیٰ کے حکم کو توڑنے میں بڑا مزا ہے۔ کوئی نہ کوئی ایسی تدبیر سوچنی چاہیے کہ عید سے پہلے قربانی کا گوشت کھایا جا سکے۔ چنانچہ انہوں نے اِس کی تدبیر یہ نکالی کہ چونکہ عید کی نماز شہر میں ادا کرنے کا حکم ہے اس لیے اگر کوئی عید سے پہلے گوشت کھانا چاہے تو اس کا طریق یہ ہے کہ وہ اپنے کسی دوست کو بکری دے دے اور اُسے کہے کہ شہر سے تین میل پرے لے جاؤ اور وہاں اُسے ذبح کرو اور پھر اس کا گوشت شہر میں لے آؤ۔ اِس طرح عید سے پہلے گوشت بھی کھایا جا سکے گا اور حکم بھی پورا ہو جائے گا۔ گویا ایسے مسلمانوں کو شریعت کے توڑنے میں ہی مزا آتا ہے اس پر عمل کرنے میں نہیں آتا۔

اللہ تعالیٰ اِس آیت میں فرماتا ہے کہ وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ اگر اہلِ کتاب ہماری باتوں پر ایمان لاتے اور پھر اس پر عمل بھی کرتے مگر بہانہ سازی سے نہیں بلکہ جس طرح متقی عمل کرتے ہیں تو ہم دو باتوں میں سے ایک بات ضرور کرتے لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ یا تو ہم اُن کے دلوں سے بدیوں کی رغبت مِٹا دیتے یا اُن کی بدیوں پر پردہ ڈال دیتے۔ بہرحال وہ اس کے نتیجہ میں اللہ تعالیٰ کے حضور پاک صاف حاضر ہوتے۔ اگر بدی کی رغبت ہم اُن کے دلوں سے مِٹا دیتے یا اُن کی بدیوں سے ہم اپنی آنکھیں بند کر لیتے تو دونوں صورتوں میں اُن کا حساب صاف ہو جاتا اور وہ ہر قسم کے خطرہ سے باہر نکل جاتے۔ غرض اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس امر کی طرف توجہ دلائی ہے کہ تمہاری فطرت میں جو یہ خواہش پائی جاتی ہے کہ تمہاری غلطیوں سے چشم پوشی کی جائے اور تمہارے ساتھ عفو کا معاملہ کیا جائے۔ اس کو پورا کرنے کے سامان موجود ہیں۔ ضرورت اِس امر کی ہے کہ تم قرآن پر ایمان لاؤ اور پھر سچے دل سے اِس پر عمل کرنے کی کوشش کرو۔ اگر تم ایسا کرو گے تو یا ہم تمہارے دلوں سے بدی کی رغبت مِٹا دیں گے یا تمہاری بدیوں پر

ایسا پردہ ڈال دیں گے کہ وہ کسی کو نظر نہیں آئیں گی اور اس طرح تمہاری غرض پوری ہوجائے گی''۔ (الفضل 6 اکتوبر 1956ء)

---

1 : المائدۃ:66

2 : شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (حٰمٓ السجدہ: 21)

3 : بخاری کتاب العیدین باب الاکل یوم النحر